اُردو رسم الخط

(اس مقالہ کے اقتباسات وقت کو ملحوظ خاطر رکھ کر الیوس ہال کراچی کی عالمی اُردو کانفرنس میں پیش کیے گئے

ڈاکٹر سید تقی عابدی

اگر چہ اُردو رسم الخط کا مسئلہ تقریباً سو ڈیڑھ سو سال سے کھڑا کیا گیا ہے لیکن گذشتہ پچاس ساٹھ برسوں میں اس بحث میں جذباتیت کو بڑا دخل ہو چکا ہے جس کی وجہ سے مسئلہ سلجھنے کے بجائے الجھتا جا رہا ہے۔ آج سے تقریباً پینتیس سال قبل پروفیسر گوپی چند نارنگ نے دہلی کے رسالے "جامعہ" مطبوعہ مارچ ۱۹۷۲ء میں اپنے مضمون "اُردو رسم الخط" میں صحیح کہا تھا کہ "زبان کی طرح رسم الخط بھی عوامی چیز ہے اور ہر شخص کو اس پر اظہار خیال کا حق پہنچتا ہے۔ اس لیے اس مسئلے پر لکھنے والوں میں عالم اور عامی بھی شامل ہیں۔ لیکن زیادہ تر تحریریں جذباتیت سے مغلوب ہو کر لکھی گئی ہیں جن کا مقصد اتنا روشنی پھیلانا نہیں جتنا گرمی بڑھانا ہے۔ ضرورت ہے کہ اُردو رسم الخط کے مسئلہ پر معروضی علمی انداز سے نظر ڈالی جائے اور تبدیلی کا مشورہ دینے والوں کے محرکات کا پتہ چلایا جائے نیز موجودہ رسم الخط کو زندہ رکھنے کے تہذیبی اور لسانیاتی پہلوؤں پر غور کیا جائے۔ پنڈت آنند نرائن ملا نے اپنے خطبہ صدارت جے پور اردو کانفرنس میں کہا تھا: "تقسیم ہند کی وجہ سے اکثریت کے دلوں میں جو غبار آ گیا ہے وہ کسی طرح مٹنے کا نام نہیں لیتا اور پاکستان کے خلاف جو غصہ ہے وہ غریب اُردو پر اتارا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُردو کو اس ملک کی زبان ماننے سے انکار ہے۔"

اُردو رسم الخط کے مسائل پر غور کرنے کے لیے اس کا لسانیاتی پہلو اور اس کا اُردو زبان سے رشتہ دیکھنا پڑے گا۔ کسی بھی زبان کا رسم الخط اس زبان کی آوازوں کو علامتوں سے ظاہر کرتا ہے اس لیے وہ زبان کا تابع ہوتا ہے لیکن اغلب زبانوں میں وہ اُس زبان کی شناخت بن جاتا ہے۔ یہ سچ ہے کسی بھی رسم الخط میں دوسری زبانوں کی آوازوں کو بڑی حد تک پیش کیا جا سکتا ہے لیکن صرف ایک زبان کا رسم الخط اُسی زبان کی صوتیات کو پوری طرح سے پیش کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے چناں چہ اُردو کا رسم الخط اُردو کے لیے مختص ہے اور اسی لیے یہی اُردو کا چہرہ یا اُردو زبان کے جسم پر اُس کی چمڑی کی طرح ہے جس کے تبدیل کرنے میں جسم کا وجود خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ چوں کہ اُردو کا رسم الخط صدیوں کے تجربات اور استعمال کے بعد اس مقام پر پہنچا ہے کہ اس کی مانوسیت اور ہم آہنگی اُردو زبان کی صوتیات سے گھل مل گئی ہے اسی لیے اب اس کی کھال نوچ کر اس پر دوسری کھال چڑھانا ممکن نہیں اس عمل سے اُردو زبان کی شناخت اور انفرادیت ختم ہو سکتی ہے۔ چمڑی

بھارت میں بعض سیاست داں اور مغربی دنیا کے بعض اُردو و ہندی کے ادیب جو اُردو کے رسم الخط کو دیوناگری یا رومن رسم الخط میں تبدیل کرنے کے خواہاں ہیں ان کی وجوہات زیادہ تر کم علمی، غلط فہمی، مفاد پرستی اور ذہنی تیرگی کے سوا اور کچھ نہیں۔ ان کے نظریات کے تحت

۱۔ اُردو رسم الخط ایک غیر ملکی عربی، فارسی رسم الخط ہے۔ یہ اسلامی رسم الخط ہے جس کا بھارت بھومی سے تعلق نہیں۔

۲۔ اُردو میں مستعملہ فارسی عربی و ترکی کے الفاظ، اصطلاحات اور تلمیحات وغیرہ کا تعلق ہندوستان کی سرزمین سے نہیں بلکہ یہ سب عرب و عجم کی پیداوار ہیں۔

صفحہ نمبر

۳۔ اردو رسم الخط کو دیوناگری میں تبدیل کرنے سے بھارت میں قومی یکجہتی بڑھ سکتی ہے۔

۴۔ رسم الخط کی تبدیلی سے اردو کے لسانی ذخائر دیوناگری میں آسانی سے منتقل ہو سکتے ہیں۔

۵۔ چوں کہ اردو ہندی ایک ہی زبان ہے بلکہ اردو ہندی کی "شیلی" ہے اس لیے دو رسم الخط کی ضرورت نہیں۔

۶۔ ترکی اور ازبکستان کے تجربات سے ثابت ہوا ہے کہ زبان ترکی اور ازبک کا رسم الخط رومن اور روسی کرنے سے زبان ختم نہیں ہوئی بلکہ زبان کی ترقی ہوئی۔

۷۔ ہندوستان اور دنیا کے دوسرے ملکوں میں اردو کو زندہ رکھنے کے لیے رسم الخط کی قربانی ضروری ہے۔

۸۔ اردو رسم الخط مشکل ہے اس میں کئی حروف ایک ہی آواز کے لیے ہیں جن سے رسم الخط کی تدریس اور تکنیکی ترقی میں رکاوٹ پیش آتی ہے اس لیے اس رسم الخط کو بدلنا چاہیے۔

۹۔ جدید ترسیلی ٹیکنالوجی جس میں انٹرنیٹ سائبر سسٹم وغیرہ ہیں اس میں اردو آسانی کے ساتھ رومن حروف میں لکھی جا سکتی ہے۔

اوپر بیان کیے گئے نظریات پر تفصیلی گفتگو درکار ہے لیکن ہم اس مضمون کی نوعیت سے اجمالاً چند نکات پر روشنی ڈالیں گے۔

یہ بھی زمانہ کی ستم ظریفی ہے کہ اردو کے رسم الخط کو عربی/فارسی کا رسم الخط بتا کر اسے خصوصاً بھارت میں خارجی یا غیر ملکی رسم الخط بتایا جاتا ہے۔ یہاں کچھ نادان دوست جنھیں ہمیشہ ادبیات کو اسلامیات میں تبدیل کرنے کا جنون رہتا ہے اس رسم الخط کو قرآن مجید کے رسم الخط سے بھی تعبیر کرتے ہیں جس کا نتیجہ شدید ردِ عمل کے طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ اردو کا رسم الخط سامی خاندان سے تعلق رکھتا ہے جو عربی فارسی سے ہوتا اور صدیوں کے تجربات اور استعمال کی منازل سے گذر کر اب خاص اردو رسم الخط ہو گیا ہے کوئی عرب یا ایرانی نہ اس کو صحیح طریقہ سے پڑھ سکتا ہے اور نہ ہی لکھ سکتا ہے مزید اس کو عربی یا ایرانی رسم الخط نہیں کہہ سکتا۔ اس میں موجود حروف تہجی اعراب اور علامتیں کچھ سامی الاصل ہیں اور کچھ خاص ہندوستانی جن کی آمیزش نے اسے خاص اردو پن دیا ہے۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ اردو زبان اور لسانیات میں اردو رسم الخط کی صوتیات پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "اسے عربی فارسی رسم الخط کہنا غلط ہے اور ہمیں اس کو اردو رسم الخط کہنے پر اصرار کرنا چاہیے۔ جس طرح اردو ایک آزاد اور مستقل زبان ہے اسی طرح اردو رسم الخط بھی ایک آزاد اور مستقل رسم الخط ہے۔"

پروفیسر فتح محمد ملک اپنی مرتب کردہ کتاب "اردو زبان اور رسم الخط" کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں۔ "اردو زبان کو ابتداء ہی میں عربی، فارسی رسم الخط کی نعمت میسر آ گئی۔ ساتھ ہی ساتھ برصغیر کے ہر خطے کی زبان میں بالکل قدرتی طور پر عربی/فارسی الفاظ شامل ہوتے چلے گئے۔ صدیوں یہ لسانی عمل جاری رہا۔ تب جا کر کہیں اردو زبان ہند اسلامی کلچر کی علامت بن کر ابھری ـــــ جب مسلمانوں سے سیاسی اقتدار چھین کر انگریز برصغیر پر قابض ہو بیٹھے تو ہندو احیائیت کے علمبرداروں نے انگریزوں کی سرپرستی میں ہند اسلامی کلچر کی اسلامی شناخت کو مٹانے کی مہم کا آغاز کر دیا۔ اردو زبان کے عربی رسم الخط کے ساتھ ساتھ اردو میں شامل عربی فارسی الفاظ مسلمانوں کے خلاف منافرت کی اس مہم کا اولین نشانہ بنے۔ کلکتہ کے فورٹ ولیم کالج کے منشی للولال جی نے ۱۸۰۳ء میں "پریم ساگر" کی صورت میں اردو پر پہلا پتھر پھینکا۔"

جناب عزیز احمد "اردو زبان کا فروغ اور تحفظ" میں لکھتے ہیں۔ اردو کا رسم الخط اس کا اپنا منفرد رسم الخط ہے اور دنیا کے حسین ترین رسم الخطوں میں سے ایک ہے۔ یہ ایک طویل تاریخی عمل سے وجود میں آیا ہے۔ ہم اسے صدیوں سے اسی شکل میں برتتے اور قبول کرتے آئے ہیں اور اب بھی کرتے ہیں۔ ہمارا رسم الخط ہمارے تلفظ ہماری شائستگی اور ہمارے لسانی، ادبی، علمی اور ثقافتی سرمائے کے تحفظ کی ضمانت ہے۔ جس طرح اردو کا ماخذ اس کے اپنے علاقے کے عوام ہیں اسی طرح اردو کا رسم الخط بھی اپنے علاقے کی تاریخ کے بطن سے

فطری انداز میں صورت پذیر ہوا ہے اور ارتقاء کے عمل سے گذر رہا ہے۔

بھارت میں اُردو رسم الخط کو دیوناگری سے اور مغرب میں رومن رسم الخط سے بدلنے کے حامیوں میں خواجہ احمد عباس، عصمت چغتائی، راہی معصوم رضا، ڈاکٹر ملک راج آنند، ہاشم علی اختر کے علاوہ کئی اردو اور ہندی کے ادیبوں کے نام ملتے ہیں۔ یہ افراد بھی اُردو کی بقاء کی ضمانت کے لیے اُردو رسم الخط کی قربانی جائز سمجھتے تھے۔ اگر چہ ان افراد کی تعداد کم تھی اور اب بھی اس ذہنیت کے لوگوں کی تعداد محدود ہے لیکن ان کے نظریات کے مطابق بھارت اور مغربی دنیا میں اُردو لکھنے اور پڑھنے والوں کی تعداد روز بروز گھٹ رہی ہے اور اُردو بولنے والوں کی تعداد بڑھ رہی ہے یعنی اُردو اب کانوں کی زبان بن کر زندہ ہے ورنہ آنکھوں کی زبان نہیں رہی چنانچہ رسم الخط تبدیل کر کے اُردو کو زندہ رکھا جائے۔

ان افراد سے ہمارا سوال یہ ہے کہ اس کا کیا ثبوت ہے کہ اُردو بولنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اگر ہم کہیں "مجھے پانی دو" تو یہ ہندی ہے، اُردو ہے یا ہندوستانی اس کا فیصلہ کیسے ہو اور اگر ہم پانی کو دیوناگری میں لکھیں تو اسے کیسے اُردو کہہ سکیں گے۔ ~~دوسری بات یہ ہے کہ اگر ہمیں دیوناگری یا رومن رسم الخط میں اردو لکھنی پڑیں گے~~۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر ہمیں دیوناگری یا رومن رسم الخط میں اُردو لکھنا اور پڑھنا سیکھنا ہے تو پھر اُردو رسم الخط جو خود اُردو کا عمدہ رسم الخط ہے اُسے ہی کیوں نہ سیکھا اور سکھایا جائے۔

تیسری اہم بات یہ ہے کہ ہر زبان کا اپنا ادبی، علمی، تہذیبی اور ثقافتی ورثہ ہوتا ہے جو تحریری شکل میں محفوظ رہتا ہے اور اسی بنیاد پر اُس زبان کی عمارت کھڑی کی جاتی ہے اگر ہم اپنا رسم الخط بدل دیں تو کیا یہ سارے ادبی خزانے بے معنی اور بے قیمت نہ ہوں گے۔ کیا ترکی زبان میں لکھی گئی صدیوں کی پرانی ترکی رسم الخط کی کتابیں جو کتب خانوں میں بے مصرف پڑی ہوئی ہیں ہمارے لیے لمحہ فکر اور مقام عبرت نہیں بن سکتی؟

پروفیسر فتح محمد ملک اُردو زبان اور اُردو رسم الخط میں لکھتے ہیں۔ "لگ بھگ نصف صدی پیشتر امریکی سی آئی اے کی تائید و حمایت سے اقتدار میں آنے والے فوجی آمر فیلڈ مارشل ایوب خان نے جب اُردو کو رومن رسم الخط اپنا کر "ترقی" کرنے کا فرمان جاری کیا تھا تب ہمارے سرکردہ ادیبوں اور دانشوروں نے یہ فرمان ماننے سے انکار کر دیا تھا ـــــ آج ہمارے یہاں ایک مرتبہ پھر بڑی خاموشی اور کمال عیاری کے ساتھ ہمارا الیکٹرانک میڈیا اُردو کو رومن رسم الخط میں پیش کرنے میں مصروف ہے ملٹی نیشنل کمپنیاں اپنے اشتہارات میں

گھروں میں بھی اب اُردو صرف کانوں کی زبان بن کر رہ گئی ہے اکثر خاندان کے جوان اُردو رسم الخط سے بے بہرہ ہیں۔ اُردو رسم الخط ایک زندہ اور توانا رسم الخط ہے جو نہ صرف اُردو زبان و ادب کو ترقی کی راہ پر گامزن رکھنے کی ضمانت کرتا ہے بلکہ دوسری بولیوں کو زندہ رکھنے اور اُن کو ادب کے زمرے میں ترقی دینے کے لیے مددگار ثابت ہوا ہے۔ ڈاکٹر محمد صغیر خان کے مطابق قدیم زبان پہاڑی جس کا تعلق بھی ہند آریائی خاندان کی زبانوں سے ہے جو آج بھی کروڑوں لوگوں کی زبان ہے اور جسے ماہرین لسانیات نے مشرقی پہاڑی یا نیپالی، وسطی پہاڑی اور مغربی پہاڑی یا لہندا کہا ہے اور جو ریاست جموں کشمیر کے علاقوں، نیپال اور ڈیرہ دون، شملہ وغیرہ میں رائج ہے اور جس کے لیے ماضی بعید میں اور بعض مقامات پر آج بھی "ٹنڈا" شاردا یا ٹاکری رسم الخط استعمال ہوتا رہا ہے تو اب اسے زندہ اور ترقی یافتہ زبان کی حیثیت دینے کے لیے شاہ مکھی یا نستعلیق رسم الخط ہی استعمال ہو رہا ہے چناں چہ جب اُردو رسم الخط میں اتنی گنجائش ہے کہ دوسری قدیم بولیوں کو بھی اس میں لکھا اور پڑھا جا سکتا ہے تو پھر کیسے اُردو کا سر اُس کے کاندھوں پر بار ہوگا۔

یہ سچ ہے کہ آج سے تقریباً سو سال قبل اُردو ترقی بورڈ کا قیام عمل میں آیا اور آج اُردو تحفظ بورڈ کی ضرورت لاحق ہے اُردو زبان 41،
صرف بول چال یا گانوں کی زبان بنتی جا رہی ہے ایسے موقع پر اُردو رسم الخط کے مسائل اُردو لکھنا پڑھنا اور اُردو کی بنیادی تعلیم کی سخت ضرورت ہے۔ آج سے چند برس پہلے یہ کہا جاتا تھا کہ رسم الخط کا مسئلہ پاکستان کا ادبی سماجی، لسانی، سیاسی اور مذہبی مسئلہ اس لیے بھی نہیں ہے کہ وہاں مقامی زبانوں اور بولیوں کو بھی اُردو رسم الخط میں لکھا جاتا ہے لیکن یہ بات بھی ذہن نشین کرنی چاہیے کہ دنیا کے کسی حصے میں بھی جو مسئلہ اُردو کی بقاء کے لیے اٹھتا ہے وہ خود بخود پاکستان کے ادیبوں دانشوروں اور اُردو پرستاروں کا مسئلہ بن جاتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ پریسیڈنٹ ایوب خان کے زمانے سے آج تک رومن رسم الخط کی تبلیغ اور تشہیر شدت سے جاری ہے جس کا نتیجہ آج خود پاکستان کے معاشرے اور سائبر انٹرنیٹ سسٹم پر دیکھا جا سکتا ہے جس کا ذکر پروفیسر شیخ محمد ملک نے بھی اپنی مرتبہ کتاب میں کیا ہے۔ اُردو پرستاروں کو چاہیے کہ جذبا نیت کے بدلے محنت اور سچی لگن سے اس مسئلہ کو حل کریں۔ اگر اُردو والے اُردو کے رسم الخط کو اپنے بچوں کو سکھاتے رہیں تو دنیا کی کوئی قوت ان سے رسم الخط کو چھین نہیں سکتی۔ یہ سچ ہے کہ حکومت کی سرپرستی اور ہمدردی زبان کے فروغ میں مددیتی ہے لیکن یہ صرف اُس وقت ممکن ہے جب اُردو والے خود اُردو کے ساتھ اس کی بنیادی تعلیم، اس کو روٹی اور روزگار سے جوڑنے اور اس کے رسم الخط وغیرہ کو جدید ٹکنالوجی کی مدد سے عام کرنے میں پیش پیش رہیں۔

اُردو رسم الخط اُردو کی آن بان اور شان ہونے کے ساتھ ساتھ اُردو کی پہچان بھی ہے۔ اس کا رشتہ اُردو ادب سے جسم اور جلد کا رشتہ ہے اس میں صدیوں کی ادبی، علمی تہذیبی مذہبی اور ثقافتی اقدار کی نمائش ہے اسی کی مدد سے ہم مڈل ایسٹ اور ایشیاء کے کئی ملکوں سے لسانی رشتے قائم کر سکتے ہیں، یہ دوسری زبانوں کی نسبت مختصر نویسی کا عمدہ نمونہ ہے۔ یہ غیر ملکی یا کسی خاص مذہب کی میراث نہیں بلکہ ایک مستقل زبان جو برصغیر کے بطن سے پیدا ہوئی اور اسی سرزمین پر پلی بڑی ہوئی اور آج اسی کا سایہ ایک گھنے درخت کے مانند ہند پاک سرحد کے دونوں جانب ہے اور اس کی ٹھنڈی ہوائیں دنیا کے گوشے گوشے میں نسیم سحر کی طرح دلوں کو شاد کرتی ہیں۔

پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب نے اپنی کتاب ”اُردو زبان اور اس کا رسم الخط“ کے دوسرے حصے میں رسم خط پر عمدہ گفتگو کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ دیوناگری اور رومن رسم خط میں اُردو سے زیادہ دشواریاں اور نقائص ہیں۔ اُردو کا رسم خط بدلنے سے جو مضر اثرات اور منفی نتائج ہونگے اس کا خاکہ بھی پیش کیا ہے۔

۱۔ رسم خط بدلنے سے زبان کی ہیئت بدل جاتی ہے۔

۲۔ عربی اور فارسی سے رابطہ خود زبان کی نشوونما کے لیے ہے ختم ہو جائے گا۔

۳۔ زبان کا حال اور ماضی سے رشتہ ٹوٹ جانے کی وجہ سے لفظوں کی پہچان باقی نہ رہے گی۔

۴۔ ہزارہا کتابیں جو اس رسم خط میں چھپ چکی ہیں ضائع ہو جائیں گی۔

۵۔ حرفوں کی تبدیلی سے حساب جمل کا وجود نہ رہے گا۔

۶۔ شاعروں اور ادیبوں نے جو لفظی صنعتوں میں کمال دکھایا ہے وہ نظر نہ آ سکے گا۔

چناں چہ اُردو کا موجودہ رسم خط اسی طرح سے برقرار رہنا چاہیے۔

ہم اس گفتگو کے آخر میں صرف یہی کہیں گے اگر اُردو والے رسم الخط کی حفاظت اور اس کے استعمال کی عادت کر لیں اور اس گراں قدر امانت کو اپنی نئی نسل کو منتقل کریں تو دنیا کی کوئی قوت ان سے ان کی زبان کا رسم الخط چھین نہیں سکتی۔ ہمیں دوسروں پر الزام دھرنے سے قبل اپنے گریبان میں جھانکنا چاہیے کہ اس جرم میں حقیقی مجرم کون ہے۔ ہم نے اس گفتگو میں سطروں سے زیادہ بین السطور باتیں کہی

[illegible] ناگفتہ رہ گئے